منشی پریم چند کے ناول

بیوہ

پر ایک تبصرہ

از : ڈاکٹر سید علیم اشرف ☆

اردو ادب میں افسانہ ہی کی طرح ناول بھی مغرب سے برآمد شدہ ایک نثری صنف ہے۔ مشرق اگر چہ اصطلاحی معنوں میں ناول سے آگاہ نہیں تھا لیکن اس کے پاس داستانوں اور حکایتوں کی شکل مین ایک ایسا ادبی سرمایہ موجود تھا جس میں بڑی حد تک ناول کے عناصر پائے جاتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ناول داستانوں ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے جو سحر و شعبدہ کے عہد سے نکل کر برق و بخارات کے عہد میں داخل ہونے والی دنیا سے زیادہ ہم آہنگ تھا۔ اردو ادب داستانوں اور حکایتوں سے مالا مال تھا یہی وجہ ہے کہ اردو میں ناول نے تھوڑے وقت مین ایک طویل سفر طے کرلیا یہاں تک کہ آج اردو ادب ناول نگاری کی ایک شاندار اور مستحکم روایت کا حامل ہے۔ اور اس روایت کی بنا ڈالنے والوں میں سب سے قد آور نام منشی پریم چند کا ہے۔

دھنپت رائے نوابرائے پریم چند کا جنم ۱۸۸۰ء میں بنارس کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوا۔ تنگدستی، بچپن میں ماں کا انتقال اور سوتیلی ماں کی بدسلوکیوں نے ان کے افکار کو بے حد متاثر کیا، لیکن انھیں عوامل نے ان کے قلب کو حساس و گداز بھی بنایا۔ اس عہد کے تقاضوں اور رواج کے مطابق انھوں نے ابتداء میں اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ چھوٹی سی عمر میں شادی ہوگئی لیکن نباہ نہ ہوسکا اس چیز نے بھی ان کی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی نوکری کی اور پھر سرکاری اسکول میں ملازم ہوگئے اس سے ان کی زندگی میں قدرے استقرار پیدا ہوا۔ مختلف مقامات پر ان کا تبادلہ ہوتا رہا، کانپور کے قیام کے دوران ۱۹۰۶ء میں انھوں نے ایک بیوہ سے دوسری شادی کرلی۔ دریں اثنا انھوں نے انٹر اور بی اے کے امتحانات بھی پاس کر لئے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کی عدم تعاون کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے پریم چند نے نوکری سے استعفا دے دیا اور اپنے آبائی وطن لوٹ آئے۔ اپنی باقی زندگی افسانوی انھوں نے ادب اور صحافت کی خدمت مین صرف کردی۔ اور ۱۸/اکتوبر ۱۹۳۶ء میں انھوں نے اس خاکدان گیتی میں آخری سانس لی۔ وہ اپنے پیچھے ۱۶/ناولوں، دوسو سے زائد افسانوں کے گیارہ مجموعے اور مختلف موضوعات پر لکھے گئے اپنے مضامین کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

ہر زندہ ادب اپنے زمانے کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور مذہبی احوال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں بھی ان کے عہد کی واضح عکاسی نظر آتی ہے۔ بلکہ انھوں نے شعوری طور اپنے زمانے کے مختلف النوع احوال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بارے میں کسی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ: ''تحریک آزادی کے مؤرخ کے لئے اگر گاندھی، نہرو، مولانا محمد علی اور مولانا آزاد وغیرہ کی تحریروں اور تقریروں کا مطالعہ ناگزیر ہے، تو اسکے لئے پریم چند کی تحریروں سے صرف نظر بھی ممکن نہیں ہے۔''

''بیوہ'' منشی پریم چند کے شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے۔ ناول کا پیش نظر نسخہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی کا شائع کردہ ہے، ستمبر ۲۰۰۲ء میں

☆ شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اسکی اشاعت عمل میں آئی ہے، تعداد اشاعت پانچ ہزار ہے (بہت واضح نہیں ہے) اور صفحات کی کل تعداد ۱۸۲ ہے۔ طباعت کم معیاری ہے اور کتابت کی غلطیاں جا بجا ملتی ہیں، بطور مشتے نمونہ از خروارے: ''بدھوابوا'' میں ''ہ'' چھوٹ گئی ہے (ص/۴۶)، بھول چوک کے بجائے ''بھوک چوک'' ہوگیا ہے (ص/۸۷) اور ''آ ہمیں پھانسی پر چڑھا دینگے'' میں ''پ'' چھوٹ گئی ہے (ص/۱۰۵)، علاوہ ازیں پوری کتاب میں ''گزرنا'' اور اس کے جملہ مشتقات کو ''ذ'' سے لکھا گیا ہے، یہ اردو کتابت کی بڑی عام غلطی ہے، مثلاً ''گئے گزروں'' کو ''گئے گذروں'' لکھا ہے (ص/۲۹)۔

ناول کی ظاہری ہیئت کے اس سرسری جائزے کے بعد اور اس کے متن اور داخلی عناصر کے مطالعے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ یہاں ناول کا ایک خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

''بیوہ'' کی کہانی کا آغاز جدوجہد آزادی اور قدیم وفرسودہ رسم ورواج کے خلاف سماجی اصلاح کی تحریکوں کے ماحول میں ہوتا ہے۔ امت رائے سماج میں عورتوں بالخصوص بیواؤں کے حقوق کا زبردست علمبردار ہے۔ کہانی کا پس منظر اور ماحول ایک چھوٹے سے شہر کا ہے، آزادی سے پہلے بنارس شہر جس کی نمائندگی کرتا تھا۔ امت رائے کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، لیکن اس کی علمیت، شرافت اور مالی حیثیت کے پیش نظر اس کے سسر بدری پرشاد اپنی دوسری بیٹی پریما سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ خود پریما بھی، جو ایک تعلیم یافتہ اور کشادہ نظر لڑکی ہے، امت رائے کو اپنا آئیڈیل مانتی ہے۔ کہانی میں ٹریجک موڑ اس وقت آتا ہے جب ایک مصلح سے متاثر ہو کر امت یہ فیصلہ کرتا ہے کہ جن لوگوں کی بیویوں کا انتقال ہو گیا ہے انھیں کنواری لڑکیوں سے شادی نہیں کرنا چاہئے، لیکن چونکہ وہ خود بھی پریما کو پسند کرتا ہے لہذا وہ تجرد کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ امت یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا دوست دان ناتھ پہلے سے پریما کو چاہتا ہے لیکن وہ کبھی اظہار کی جرأت نہیں کر سکا ہے۔ چنانچہ امت کے اس فیصلے میں اصول پسندی کے ساتھ ساتھ ایثار بھی شامل ہو جاتا ہے اور غالباً ایثار کا محرک ہی قوی تر ہے۔ پریما امت کے اس فیصلے سے غم زدہ تو ہوتی ہے لیکن امت کا قد اس کی نگاہوں میں کچھ اور بڑھ جاتا ہے۔ آخر میں وہ ماں باپ کی خاطر بلکہ اس سے زیادہ اپنے آئیڈیل کی خواہش کے احترام میں دان ناتھ سے شادی کر لیتی ہے۔ ادھر دان ناتھ خوش ہونے کے بجائے اس وہم میں مبتلا و گرفتار ہو جاتا ہے کہ وہ صرف پریما کا جسم حاصل کر سکا اس کی روح اب بھی اس سے دور بہت دور ہے اور اس کے لئے وہ امت رائے کو ذمہ دار سمجھنے لگتا ہے جس نے اس کے لئے اتنی بڑا ایثار کیا۔ دان ناتھ کا یہ وہم اسے امت کی ذات اور اس کے نظریات کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے، چنانچہ زمانے کے دوست ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ ایک اصلاح اور تبدیلی کی بات کرتا ہے تو دوسرا سناتن روایتوں کی حفاظت وحمایت کی گفتگو کرتا ہے۔ اور اس کشمکش میں سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت پریما کی ہوتی ہے، جس کے لئے ایک طرف شوہر ہوتا ہے تو دوسری طرف آئیڈیل۔

ناول کا چوتھا اہم کردار بدری پرشاد کے پڑوس میں رہنے والی پورنا ہے، جو بھری جوانی میں اچانک بیوہ ہو جاتی ہے۔ بدری ناتھ از راہ ہمدردی اسے اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔ یہاں کہانی میں بدری پرشاد کے بیٹے اور پریما کے بھائی کملا کا داخلہ ہوتا ہے، جو بخیل اور انتہائی منفی ذہنیت کا حامل ہے۔ وہ ایک طرف تو دان ناتھ کو امرت رائے کے خلاف ورغلاتا ہے، جو پہلے ہی اس کے خلاف وسوسوں کا مارا ہوا ہے، اور دوسری طرف پورنا پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جو ایک غم کی ماری اور مصیبت زدہ بیوہ ہے۔ اور اسے مختلف بہانوں سے اپنے دام فریب میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ایک دن پریما کے حوالے سے فریب دیکر اسے شہر کے باہر اپنے باغ تک لے آتا ہے۔ پورنا اس کی بدنیتی کا احساس کر کے اسے زخمی کر دیتی ہے اور فرار ہو جاتی ہے، اور کسی طرح امرت رائے کے قائم کردہ بیوہ خانہ پہنچ جاتی ہے۔ ادھر کملا پرشاد کی خوب بدنامی ہوتی ہے۔ کملا کا ساتھی ہونے کی حیثیت سے دان ناتھ بھی خوب بدنام ہوتا ہے، لیکن یہ حادثہ اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے اور اس کے اندر کا خیر اس کے شر پر غالب

آجاتا ہے۔وہ پریما کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور پھر دونوں دوستوں میں صلح صفائی ہوجاتی ہے۔کملا پرشاد بھی اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے،اور اپنی بیوی سے اچھے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور اس طرح نہایت خوشگوار ماحول میں کہانی کا خاتمہ ہوتا ہے۔لیکن بیوہ کا مسئلہ اپنی جگہ رہتا ہے اور اسے ایک پناہ گاہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

ناول کا مرکزی کردار امرت رائے ہے،اور یہی کردار پوری ناول پر چھایا نظر آتا ہے۔اس کردار کے بنیادی وصف کے حوالے سے ناول کا نام اگر ''ایثار'' ہوتا تو کہانی سے زیادہ ہم آہنگ ہوتا۔لیکن پریم چند نے شعوری طور پر اسے بیوہ کا نام دیا۔انھوں نے شخصیت کے بجائے قضیے اور مسئلے کو زیادہ اہم خیال کیا۔ان کے عہد میں بیوہ کا مسئلہ اور سماج میں اسکی حیثیت کا موضوع اصلاح پسندوں اور روایت پسندوں دونوں کے لئے اہمیت کا حامل تھا۔پریم چند صرف نظریاتی طور بیواؤں کے سدھار کے حامی نہیں تھے بلکہ انھوں نے ایک بیوہ سے شادی کر کے اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا تھا۔

پریم چند کا یہ ناول ان کی حقیقت نگاری اور رومانیت پسندی کا ایک ملا جلا شاہکار ہے۔بعض حضرات نے پریم چند کو حقیقت نگار قرار دینے میں مبالغے سے کام لیا ہے۔اور ان کی ہر تحریر کو، جسے کسی بھی سماجی مسئلے سے کوئی سروکار ہو، حقیقت نگاری کا نمونہ قرار دے دیا جاتا ہے۔جب کہ دیہی پس منظر میں لکھے جانے والے ان کے ناول اور افسانوں میں بلا شبہ حقیقت نگاری کا غلبہ ہے،لیکن اس کے بعد بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ رومانوی اثرات سے پوری طرح خالی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اردو ادب میں رومانویت (Romancism) یا حقیقت نگاری (Realism) میں سے کسی نے کبھی بھی تحریک کی شکل اختیار ہی نہیں کی کہ دونوں گروہ میں کوئی خط امتیاز قائم کیا جاسکے۔لہذا ہم کسی فنکار کے حقیقت نگار یا رومانوی ہونے کا فیصلہ اس کے ادب کے غالب رجحان کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

اگر حقیقت نگاری ان کا طبعی میلان تھی،اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کا تقاضہ تھی،اصلاح و تبدیلی کی خواہشات کے اظہار کا ذریعہ تھی؛ تو رومانویت ان کا فکری ورثہ تھی،جس فکری ورثے کی تشکیل شرر،سرشار اور نذیر احمد کے ناولوں اور طلسم ہوشربا جیسی داستانوں کی قرات و سماعت سے ہوئی تھی،اور رومانویت ان کے عہد کا عام مزاج بھی تھی۔سجاد حیدر یلدرم،مہدی آفادی، نیاز فتحپوری،اقبال،جوش،حفیظ اور اختر شیرانی وغیرہ سبھی بڑے ادباء و شعراء رومانویت کی نمائندگی کرتے تھے۔سرسید اور علیگڑھ تحریک کا حقیقت نگاری میں غیر معمولی مبالغے کا یہ ایک ردعمل تھا۔بقول شخصے:''رومانویت اسی بے نمکی کے خلاف بطور احتجاج سامنے آئی''۔

البتہ زیر نظر ناول کا مرکزی موضوع چونکہ ایک سلگتا ہوا معاصر سماجی مسئلہ ہے لہذا اس پر مجموعی طور پر حقیقت نگاری کا غلبہ ہے۔لیکن اسی کے دوش بدوش انکے آدرش وادی نقطۂ نظر کے سبب ناول میں رومانی عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔امرت رائے کا پورا کردار رومانویت کا نمونہ ہے۔پریما کا امرت کے انکار سے بھی راضی ہونا،کنواری رہنے کے عہد کے بعد بھی صرف امرت کی تحریر دیکھکر دان ناتھ سے شادی کے لئے تیار ہوجانا محض آدرش وادی نقطۂ نظر ہے۔اصلاح کی شدید خواہش،اور وطن دوستی کے جذبات نے بھی اس فن پارے میں رومانوی عناصر کا اضافہ کیا ہے۔

پریم چند نے ناول کے ہر کردار کر ساتھ انصاف کیا ہے،ان کے افکار کے مختلف گوشوں سے قارئین کو روشناس کرایا ہے،اور پل پل بدلتی ہوئی ان کی نفسیات کو لفظوں کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، خاص کر دان ناتھ کے داخلی تضادات کی بڑی حقیقی، جاندار اور متحرک تصویر کشی کی ہے،اس کی شخصیت محبت،غصہ،سچائی،حسد،ضد،قربانی وغیرہ متضاد عناصر سے مرکب ہے،اور ان مختلف و متضاد صفتوں کا ناول میں حسب موقع سلیقے

کے ساتھ ظہور ہوتا ہے۔کملا پرشاد کا کردار بھی اس عہد کے ایک انانیت پسند اور بگڑے ہوئے رئیس زادے کی سچی تصویر ہے، جسے اپنی ذات کے سوا اور کسی کی کوئی فکر نہیں ہوتی ہے، نہ دوسروں کے خوشی وغم سے اسے کوئی سروکار رہوتا ہے۔اگر وہ بے راہ روی اختیار نہیں کرتا تو کسی نیک جذبے سے نہیں بلکہ اس کی بزدلی اور بخل اسے برائی سے باز رکھتی ہے۔پورنا کا کردار بھی ایک جوان اور بے سہارا بیوہ کا سچا کردار ہے، وہ ایک حیادار بیوہ ہے۔ انسانی نفسیات کے تحت کملا کے ورغلانے پر کبھی کبھی اس کی پلکوں پر خواب سجنے لگتے ہیں لیکن وہ فوراہی اپنی حالت کا ادراک کر لیتی ہے، اس کی فطرت کی سچائی اسے خوابوں میں دور تک بھٹکنے نہیں دیتی ہے۔ناول کے یہ تینوں کردار حقیت نگاری کا نمونہ ہیں، البتہ امرت رائے اور پریما کے کردار کی تشکیل میں پریم چند نے جس تخیل پسندی سے کام لیا ہے اس کے سبب یہ دونوں کردار حقیقت سے زیادہ رومانویت کے قریب ہوگئے ہیں ۔دراصل اکملیت (Perfectibility) کا تصور ہی رومانویت کی بنیاد ہے جو ان دونوں کرداروں میں صاف چھلکتا ہے۔

اسلوب اور زبان کی سادگی منشی پریم چند کے سارے ناولوں اور افسانوں کا مشترکہ وصف ہے۔مگر اس سادگی میں بھی تنوع ہوتا ہے، وہ اپنے کرداروں کی مناسبت سے زبان کا انتخاب کرتے ہیں، کملا ایک کم پڑھا لکھا کردار ہے لہذا اس کی زبان سے سطحی اور بازاری الفاظ ادا ہوتے ہیں ، جیسے : بغلول ، بونگا ، بوکھل اور جانگلو وغیرہ۔ ہندی زبان کا بے ساختہ استعمال ان کی زبان کو اور بھی خوبصورت بنا دیتا ہے۔جیسے : بدھوا بواہ (ص/۱۳)، گن، مہاشے، دشا (ص/۱۹)، سماج کی سیوا (ص/۲۰) ، پراشچت (ص/۳۲)، برہمچر یہ (ص/۴۱)، پرارتھنا (ص/۶۶)، استری کا دھرم (ص/۶۷)، بھرشٹ (ص/۷۷)، دھنیہ (ص/۷۶)، سیوا اور اپکار (ص/۸۲)، ادّھار (ص/۹۱) وغیرہ وغیرہ۔

کہیں کہیں وہ خالص مقامی لہجے اور مفردات کا استعمال کر جاتے ہیں اگر سیاق وسباق پیش نظر نہ ہو تو ان کا سمجھنا مشکل ہے، مثلا: راڑ بمعنی ٹکراؤ (ص/۱۵)، اور چیں چپڑ بمعنی نکتہ چینی (ص/۴۷)۔

ضرب الامثال اور محاوروں کا جا بجا استعمال بھی ناول کی زبان کو خوبصورت بنانے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے، مثلا: اس کا وید ہی دوسرا ہے (ص/۵۱)، ان کی آنکھوں میں سنیچر ہے (ص/۸۸)، ہڑ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا (ص/۱۳۷)، موسلوں سے ڈھول بجاؤں (ص/۳۹)۔

دیہاتی زبان کا بھی بہت برمحل استعمال ہوا ہے: ''آؤ ہمار تمھار پہلے ایک پکڑ ہوئی جائے'' (ص/۱۰۵)، گھر کا نوکر سمترا سے کہتا ہے کہ :''سرکار کا جتنا مارے کا ہوئے مار لیں مدا بوجی سے نہ پٹائیں ایس گھونسہ مارت ہیں کہ کوس بھر سے دھماکہ سنات ہے۔'' بعض مقام پر زبان میں بہت بے ساختگی ہے، دان ناتھ امرت رائے سے کہتا ہے کہ: ''بھلے آدمی تمھیں گرمی نہیں لگتی، یہاں سانس لینی مشکل ہے اور بیٹھے ہوئے تپسیا کر رہے ہو۔''

سلاست وروانی پریم چند کی زبان کا خاص وصف ہے، زیر نظر ناول میں بھی یہ وصف پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے، یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں، پورنا کی مجبوری اور کملا کی ترغیبات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''تقدیر اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیل رہی تھی، اس کے سر تاج کو اس کے ہاتھ سے چھین کر اب اس کو کھلونوں سے خوش کرنا چاہتی تھی، اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ کر اسے سہانے منظر کی سیر کرا رہی تھی، اس کے دونوں ہاتھ کاٹ کر جل بہار کرنے کے لئے اتھاہ سمندر میں ڈھکیل رہی تھی۔'' (ص/۳۷)

کہیں کہیں بالقصد خوبصورت تشبیہات کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے، ہوس میں گرفتار کملا کی آنکھوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''کملا کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، یہ باطنی مسرت کی تاباں اور خوشگوار روشنی نہ تھی یہ کسے درندے کی خونی تشنگی کا عکس تھی، ان میں عاشق کی نور افزا خواہش نہیں بلکہ شکاری کا خونخوار قصد تھا، ان میں ساون کی کالی گھٹاؤں کا خوش کن سماں نہیں بلکہ بادلوں کا خوفناک ظہور تھا، ان میں شر درت کے صاف آب رواں کا ملائم نغمہ نہیں بلکہ برکھارت کی قیامت خیز طغیانی کا خوفناک شور تھا۔'' (ص/۱۴۴)

سماجی اصلاح کی خواہش، حب الوطنی کے ساتھ ساتھ ہندو احیا پرستی کا جذبہ بھی زیر نظر ناول میں نظر آتا ہے اور یہ تینوں عناصر پریم چند کے فن پاروں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں، ان کی تحریروں میں ہندو تہذیب کی شان و شوکت، راجپوتی آن بان، ہندو عورت کی شوہر پرستی اور غیرت پر مر مٹنے کا جذبہ وغیرہ عام طور پر پائے جاتے ہیں، اور اس ناول میں بھی موجود ہیں، بدری پرشاد ''ودھوا وواہ'' کی مخالفت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: ''اس سے ہندو عظمت اور پاکیزگی کے رہے سہے نشان بھی مٹ جائیں گے۔'' (ص/۱۳)، اور امرت رائے دان ناتھ سے پریما کے بارے میں کہتا ہے کہ: وہ خاندانی رواج پر مٹنے والی سچی دیوی ہے اس کے محبت کے معنی ہیں ''شوہر پرستی'' محبت کی کسی دوسری قسم سے وہ واقف ہی نہیں ہے'' (ص/۴۶)

ناول کی ان تمام خوبیوں اور محاسن کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ کمزور پہلو بھی ہیں جن کی طرف اتمام کار کے بطور اشارہ ضروری ہے۔ مثلاً ناول کی یہ عبارت ''وہ شگفتہ کلی اب ایک شگفتہ پھول تھی'' (ص/۹) درست نہیں ہے کیونکہ شگفتگی کلی کا وصف نہیں ہوسکتی ہے۔ بخیل کے لئے ''ممسک'' کا استعمال اس زمانے میں بہت نادر تھا (ص/۵۸)، اسی طرح ''النشین'' (ص/۴۶) جیسی ترکیب رکیک اور پست نوعیت کی ہے۔ کملا کی ترغیبات پر پورنا کا متذبذب ہونا تو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، لیکن راتوں میں اس کے کمرے میں تنہا جانا اور دیر دیر تک قیام کرنا یا پھر باغ میں کملا کے کہنے سے بستر پر دراز ہو جانا اس کے مجموعی کردار سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ کملا کا سب نمایاں وصف اس کا بخل ہے جس سے ہر کوئی آگاہ ہے لیکن اس کے سگے بہنوئی دان ناتھ کا اسے ''مروت وسخاوت کا مجسمہ'' (ص/۱۵۶) قرار دینا عجیب لگتا ہے۔ بعض جگہ زبان و بیان میں تھوڑی رکاکت در آئی ہے، جیسے یہ جملہ: ''یہ ازدواج واحد کے عہد کرنے کا وقت ہے متعدد ازدواج کے دن گئے'' (ص/۱۸۱)

پریم چند کے عہد میں اٹھنے والی سماجی اصلاح و مساوات کی ہر تحریک مثبت بنیادوں پر قائم نہیں تھیں، سماج کے کمزور و درماندہ طبقوں کے لئے بہت سے مصلحین کی ہمدردیاں اور جدوجہد حب علی میں نہیں بلکہ بغض معاویہ میں تھیں، چنانچہ ناول میں ایک مقام پر اصلاح پسندوں کا یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے کہ: ''بس انھیں (شودروں کو) جلدی سے ملا لو ورنہ یہ عیسائی یا مسلمان ہو جائیں گے''۔ (ص/۹۱)

مجموعی طور پر منشی پریم چند کا یہ ناول ''بیوہ'' اردو ادب کا ایک خوبصورت فن پارہ ہے۔ جس کا پلاٹ بے حد مربوط جس کے کردار خوب متحرک و فعال، جس کی زبان بڑی سادہ و دلنشین اور جو ایک اعلیٰ درجے کی مقصدیت کا حامل ہے۔

☆☆☆

منشی پریم چند کا ناول

بیوہ

پر ایک تبصرہ

از

☆ ڈاکٹر سید علیم اشرف ☆

شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد